

عالم اسلام میں مغربی قوانین کی بلغار اور فقہ اسلامی کے احیاء کی ضرورت

محمد حبیب بلخویہ

ترجمہ: ڈاکٹر مسعود الرحمن خاں ندوی

اس طویل مقالہ بعنوان الفقہ الاسلامی وقضایا العصور (شائع شدہ ہفتہ وار العالم الاسلامی ستمبر ۱۲، ۱۹۹۷ء، ص ۱۰ اور ۱۹، جنوری ۱۹۹۷ء، ص ۱۰) کے ترجمہ کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ اس میں بالواسطہ ان قانونی تبدیلیوں کا ذکر آیا ہے جو عالم اسلام میں مختلف سماجی تسلسلوں اور آزادی کے بعد ان کے تابعکار اور مسلم حکمرانوں کے ہاتھوں شریعت کو اسلامی معاشروں میں بیخ و بن سے اکھاڑنے اور اسلامی عدالتوں کو اس طرح اجاڑنے کے لیے عمل میں آئیں کہ آج دنیا میں یہ مطالبہ حیرت و استعجاب کا موجب بن گیا ہے کہ چند مہر پھرے دین و شریعت کے احیاء کے داعی مسلم ممالک کی مسلم رعایا کے لیے شرعی احکام کی تنفیذ اور شرعی عدالتوں کے قیام کی راگنی بے وقت الاپ رہے ہیں۔ سماجی دور کی قانونی تبدیلیوں میں کچھ اضافہ خود مترجم کے ایک طبقہ معارف بعنوان ”ستمدہ عرب امارات کس کے خواب کی تعبیر“ (سہ ماہی فکر و نظر، علی گڑھ، ۲/۳۳، ۱۹۹۴ء، ص ۵-۱۳) میں وارد بعض معلومات سے بھی کر دیا گیا ہے۔

ترجمہ میں مؤلفین کے غیر مکمل ناموں، غیر مذکور سنین ولادت و وفات اور ان کی تالیفات کے ادھر سے ناموں کی تکمیل بھی کر دی گئی ہے۔ (مترجم)

اس مطالعہ کا مقصد وقتِ حاضر میں عالم اسلام کے اس حساس موضوع پر اظہارِ خیال کرنا ہے جس پر قدیم و جدید شرقی و مغربی، مسلم و غیر مسلم ہر کس و ناکس مدعی اصلاحِ حال و مآل اور علماء، شریعت و معاصر قانون دان اپنے اپنے نقطہ نظر سے سوچتے رہتے ہیں، مقابلہ گروہوں میں اختلاف شدت اختیار کرتا ہے تو بحث و مجادلہ کی گماگمی میں حقائق نظر

سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور بلند و بانگ دعوے کرنے والے دانشوروں عقل و فہم کے عام اصولوں میں خلط ملط کرنے لگتے ہیں۔ ایسے وقت میں عقل و شرع ہر لحاظ سے فقہ اسلامی کی حقیقت و اقاویت واضح کرنے کے لیے تحقیق و تفتیش اور تحلیل و تجزیہ کا کام واجب ہو جاتا ہے تاکہ لوگ اللہ کے قائم کیے ہوئے دین و شریعت کی برتری کو دل سے مایوس اور اس کی پابندی کریں۔

شریعت کا قانونی نظام

شیخ مصطفیٰ احمد زرقاء کے مطابق:

اسلامی شریعت کا قانونی نظام خاص حقوق کی دونوں شاخوں، مدنی اور جہانی اور عام حقوق کی دونوں شاخوں: اندرونی اور بیرونی یعنی دستوری، اداری، مالی اور عالمی امور کو شامل ہے۔ اسلامی شریعت کے اصلی ماخذ یعنی قرآن و سنت میں صرف وراثت اور بعض جرائم کی سزاؤں کے مفصل احکام بیان ہوئے ہیں جبکہ باقی موضوعات سے متعلق صرف بنیادی قانونی اصولوں کا ذکر کر کے ان کے تفصیلی احکام کو زمان و مکان کی مصالح و ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے اجتہاد پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ مختلف ممالک میں جب مسلمانوں کا واسطہ قدیم تہذیبوں سے پڑا اور ان کے معاشی حالات میں بہتری پیدا ہوئی تو فقہاء اور قضاة عصر نے انہی اصولوں کے مطابق اجتہاد کے تفسیری و تفصیلی فقہ کا وہ عظیم ذخیرہ تیار کیا جس کی وسعت و جامعیت کی نظیر قانون سازی کی معروف تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ اس مبارک کوشش کے نتیجے میں بہت سے اسلامی فقہی قانونی مکاتب فکر وجود میں آئے جن میں سے آج تک زندہ رہنے والے مشہور مذاہب: حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہیں۔ ان میں کوئی بنیادی وینی اختلاف نہیں ہے جیسا کہ ناواقفوں کو مناظر ہوتا یا دیا جاتا ہے، جو کچھ اختلاف ہے، وہ قضائی اور قانونی آراء کا ہے جن کی وجہ سے اسلامی فقہ کے قانونی نظریات کی ثروت میں زرخیز اضافہ ہوا۔

شریعت کے حاملین

ہر زمانہ میں اس علم کی آبیاری اہل ترین ثقہ علماء نے کی۔ ان میں ایسے نامی گرامی فاضل فقہاء، وقضاة اٹھے جنہوں نے اسرار و رموز شریعت میں رسوخ حاصل کیا اور عوام و خواص کے لیے ان کی فہم کاراستہ ہموار کیا، دلائل کے ساتھ احکام کی تفصیل بیان کی، ان کو اُس وقت کے مسائل پر منطبق کیا اور صرف اللہ تعالیٰ کی حوثِ نودی کے لیے عدل کے قیام کو مد نظر رکھتے ہوئے متنازع فریقوں کے درمیان غیر جانبدارانہ فیصلے کیے۔ ان عملی احکام کے استنباط میں ان کا اعتماد صرف قرآن و سنت پر رہتا، جہاں ان دونوں کی نصوص خاموش بھیتیں وہاں روح شریعت کے ترجمان کلی عام قواعد شریعت کے پاس و لحاظ کے ساتھ اپنے فقہی مطالعہ اور فہم و سمجھ سے حاصل کردہ شرعی اشارات، تقاضوں اور فقہی اصولوں کی طرف رجوع کرتے تھے، جن میں ان کے درمیان بشری سوچ بوجھ کا اختلاف ہونا قدرتی بات تھی۔ اس اختلاف کو کسی دنیاوی قانون کی تشریح و تفسیر اور تنفیذ و تطبیق میں قابل اعتراض انوکھی بات تسلیم نہیں کیا جاتا۔

اسلامی فقہ کے ماخذ

کاروان فقہ کے طویل سفر میں مجتہدائے کی مساعیٰ جمید پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک فقہ اسلامی کے بنیادی مصادر: کتاب و سنت اور اجماع و قیاس تھے۔ ان کے علاوہ ثانوی مصادر جن میں ان کے درمیان اختلافی نقطہ نظر بھی پائے جاتے ہیں: استحسان، استصلاح، استصحاب، براتِ اصلیہ، سد ذرائع، عرف، شارع کے عام مقاصد یا روح شریعت تھے جن کی تفصیل اصول فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ فقہ کے ان سرچشموں میں بہت سے اہم بلند ترین مقام کتاب و سنت کو حاصل ہے جن کو وحی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور ان سے اخذ و استمداد پزیر فقہاء کا اتفاق ہے، اس لیے کہ تشریح کے زمانہ میں انہی پر اعتماد تھا اس لیے وہ شریعت کی اصل و بنیاد قرار پائے۔

الکتاب

الکتاب سے قرآن کریم مقصود ہوتا ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عربی میں

میں نازل ہوا تو نہ صرف ان کا عظیم ترین معجزہ قرار پایا بلکہ اسلامی تشریح کی اصل و بنیاد بنا۔ وہ اسلامی شریعت کے تمام اعتقادی اخلاقی اور عملی زندگی کے قواعد و ضوابط پر مشتمل ہے، اسی پر آسمانی وحی کا خاتمہ ہوا اور تمام سابق الہی شریعتیں منسوخ ہوئیں اللہ تعالیٰ نے اس کو سابق شریعتوں پر مہین، یعنی محیط اور جامع و شامل کی امتیازی صفت سے نوازا اور اپنے بندوں کو اس کے احکام و تعلیمات کی تابعداری کا درج ذیل آیت میں پابند بنایا:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ
الْكِتَابِ وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ فَاحْكُم
بِهِ هُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ
أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ
الْحَقِّ ۚ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شُرَعًا
وَمِنْهَا جَاءَ

ہم نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل
کی جو سابق کتابوں کی تصدیق کرنے والی
اور ان کے معافی و مفاہین و مظاہم پر محیط
ہے لہذا اللہ کے نازل کردہ احکام کے
مطابق ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں اور
آپ پر نازل حق کے بدلہ ان کی خواہشات
کی پیروی نہ کریں اس لیے کہ ہم نے تم سب
کے لیے ایک شریعت اور راہ عمل سنیں کر دی ہے۔

(الانڈہ: ۴۸)

قرآنی احکامات اور پابندیوں کا نزول حسب ضرورت بتدریج ہوا اور کبھی کبھی مسلمانوں اور غیر مسلموں کے سوالات اور استفتاء کے جواب میں بھی آیات اتریں جیسا کہ ان پندرہ آیتوں سے معلوم ہوتا ہے جن کا آغاز یَسْتَلِدُنْكَ (وہ آپ سے پوچھتے ہیں) سے ہوا ہے اور ان دو آیتوں سے پتہ چلتا ہے جن کی ابتدا یَسْتَفْتِدُنْكَ (وہ آپ سے فتویٰ معلوم کرتے ہیں) سے ہوتی ہے۔

تشریحی احکام سے متعلق قرآنی آیات کو علماء نے آیات احکام کی تفسیر و توضیح کی کتابوں میں اپنا موضوع بحث بنایا ہے، ان میں سے عبادات کی تقریباً ایک سو چالیس، خاندانی امور اور وراثت کی ستر، مدنی احکام یا معاملات کی ستر، جرائم اور سزا کی تیس اور قضا و شہادت کی بیس آیات کا ذکر ملتا ہے۔

شرعی احکام کی آیات جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا عام کئی قاعدے کی نوعیت کی ہیں۔ ان میں سے بعض قطعی الدلالتہ ہیں جن کی ایک ہی تفسیر ہو سکتی ہے اور بعض طئی

الدلائل ہیں جن کی ایک سے زیادہ تاویل ہو سکتی ہے۔ ان میں سے بعض ثابت اور باقی رہنے والی ہیں اور بعض میں تخصیص، تفسیر یا نسخ ہوا ہے۔ ان سب موضوعات کا بیان تفسیر، فقہ، اصول فقہ یا مذکورہ موضوعات کی مخصوص کتابوں میں اپنی اپنی جگہ ملتا ہے۔

۱۰

سنت نبوی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اقوال و اعمال و تصرفات مراد ہیں جن کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ سے خود سنا، دیکھا یا اپنے ساتھیوں سے معلوم کیا۔ آپ کی ذات مبارک ان کے لیے اسوہ و نمونہ اور مرجع و حجت تھی اس لیے انہوں نے آپ کے دینی تصرفات سے عبادت کی عملی تفصیلاً خاندانی برتاؤ، معاملات کے احکام، شرعی سیاست میں داخل فرد و جماعت اور حاکم و محکوم کے تعلقات اور عام و خاص ادارتی، قضائی، مالی حقوق و واجبات کی معلومات حاصل کیں۔ چونکہ آپ ہی ان کے امام اعظم، مفتی اکبر اور حاکم اعلیٰ تھے، آپ کی سنت مؤمنین کی راہ کا رہنا پتھر اور آپ کا طریقہ متقین کے لیے راہ ہدایت تھی مختلف حالات میں آپ کے بے شمار اقوال و اعمال کا ذخیرہ بہت متنوع تھا جس کو محمد طاہر بن عاشور (وفات ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۸ء) کی کتاب المقاصد کی فصل 'شارع کی قانون سازی' کے مطابق احمد بن ادریس قرانی (وفات ۲۸۸ھ / ۶۲۸۵ء) نے چھپیں شیعوں میں تقسیم کیا ہے۔ جن میں تشریح، افتاء و قضاء، امارت و ہدایت، صلہ رحمی، مشورہ طلب کرنے والوں کو مشورہ دینا اور نصیحت کرنا، نفوس کا تزکیہ و تکمیل، بلذخائق کی تعلیم، ادب سکھانا، رشد و ہدایت کے لیے وقف رہنا وغیرہ موضوعات شامل ہیں۔

تشریحی سنتوں کے بارے میں معلوم ہے کہ ان میں سے بعض میں قرآن کے اجمال کی تفصیل، مطلق حکم کی تفسیر اور عام حکم کی تخصیص ہے اور بعض سنتیں اپنی تشریحی دلالت کے لحاظ سے مستقل بالذات ہیں یعنی ان سے متعلق قرآن شریف میں کوئی مثبت یا منفی حکم نہیں ہے۔ اس بارے میں امام محمد بن ادریس شافعی (۱۵۰ - ۲۴۰ھ / ۷۶۷ - ۸۲۰ء) کی تحقیقی رائے یہ ہے کہ جس مسئلہ میں کوئی قرآنی حکم نہیں ہے اس سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے سنت مقرر فرمائی تھی جیسے

کہ قرآن کریم میں ہے:

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ (الشوری: ۵۲)

یقیناً آپ راہِ مستقیم یعنی راہِ خدا کی ہدایت فرماتے ہیں۔

اس طرح اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں مذکور اور غیر مذکور دونوں طرح کے احکام کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع نہ صرف ہر مسلمان پر لازم کر دی ہے بلکہ ان کی تابعداری کو اپنی اطاعت اور ان کی نافرمانی کو اپنی معصیت بنا کر کسی کے لیے اتباع سنت سے انکار کا عذر باقی نہیں رہنے دیا ہے اور مسلم علماء نے حدیثی مواد کی وسعت اور اس کے تنوع کو دیکھتے ہوئے تشریحی نصوص حدیث کو احکام حدیث کے نام کی بہت سی کتابوں میں مرتب کر دیا ہے۔

سنت کے خلاف عیب جوئی اور شکوک و شبہات پھیلانے والوں کی باتوں کا اس لیے کوئی اعتبار نہیں ہے کہ یہ اعتراضات گمراہ غرض مند سازشی جاہلوں کی طرف سے کیے جاتے ہیں جن کے جوابات بروقت بہت سے اہل علم دیتے رہے ہیں خود راقم نے بھی اپنے ایک رسالہ بعنوان السنۃ الشرعیۃ والعمل بہا میں ان کی طرف اشارہ کیا ہے اس لیے یہاں ان کا ذکر کر کے بات کو طول دینے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ مختصراً جو مثبت بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے حامل اور سنۃ شریفہ کے راوی، جامع اور مرتب قدیم علماء جنہوں نے قرآن شریف میں تدبیر و تفکر کیا تھا اور اس کے علوم میں گہری مہارت حاصل کی تھی پھر محمد نبوی کا روایت و درایت کے لحاظ سے مطالعہ کیا تھا اور اس کی سند و متن کے عظیم ذخیرہ کا تجرید و تعدیل اور تنقید و تعلیق کے ذریعہ تحقیق و تفتیش اور تحلیل و تجزیہ کا نامیاً کام انجام دیا تھا ان سب کی ان علمی و فنی مساعی جمیلہ کی وجہ سے حدیث نبوی کی ایسی قیمتی دولت و ثروت جمع ہو گئی ہے جو ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے اور ہر سننے سمجھنے اور دیکھنے بھالنے کے لائق شخص کے اطمینان قلب کے لیے خود مبلغ ترین حجت ہے۔ ان بے بدل علماء کے بارے میں امام محمد بن ابی بکر ابن قیم (۶۹۱-۷۵۱ھ)

۱۲۹۲ - ۱۳۵۰ھ) نے اپنے تاثرات کا اظہار درج ذیل الفاظ میں کیا ہے:

یہ اللہ صدق و صفات و دیانت میں بلند ترین درجہ پر فائز، عقل و سمجھ

میں وافر ترین حصہ کے مالک، حفظ کے اعلیٰ ترین معیار سے آراستہ، صدق کی تلاش اور کذب سے اجتناب میں شدید ترین اصولوں کے قائل اور ان پر عمل تھے۔ ان کو صحت حدیث اور سلامت روایت کے مقابلہ میں نہ اپنے باپ اور بیٹوں کا لحاظ ہوتا تھا نہ اساتذہ و احباب کی روایت۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو جس طرح کذب و بہتان سے پاک کیا اس کی مثال نہ کسی نبی کی باتیں نقل کرنے والے میں ملتی ہے نہ کسی غیر نبی کی حکایت بیان کرنے والے میں۔ انھوں نے اس علم کے پروان چڑھانے میں اپنے اساتذہ کی غایت احتیاط کو دیکھا تو خود بھی بڑھ چڑھ کر اس کی ایسی رعایت کی کہ ان کا شمار ان خوش نصیب افراد میں ہونے لگا جن سے خوش ہو کر اللہ تعالیٰ ان کو اپنے چیدہ بند سے بنایا اور تاقیامت تمام امتوں پر ان کو اپنا گواہ بنا دیا۔

تشریحی مراحل

کتاب و سنت یعنی متلو و غیر متلو و وحی کی امتیازی صفت یہ ہے کہ وہ روشنی کے ایک ہی چراغ یعنی نور الہی سے ماخوذ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے تمام لوگوں کے لیے بھیجا ہو اللہ تعالیٰ کا پیغام ہیں، وہی دونوں رسالت میں بعثت سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال تک احکام شریعت کے مسئلہ بنیادی ماخذ تھے، ان پر رائے کا اضافہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق سے اس وقت ہوا جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (۲۰ ق ۶۱۸-۶۲۰) کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا۔ صحابہ کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک کی وجہ سے تاریخ اسلام کا عصر اول ہی اسلامی تشریح کا بھی عہد اول تھا، آپ ان کے مرجع تھے، صحابہ آپ سے سوال کرتے تھے آپ ان کے استفسارات کے جواب دیتے اور تنازعہ امور میں فیصلہ فرماتے، پیش آمدہ نئے مسائل سے متعلق اللہ کے احکام کی وضاحت فرماتے اور روح شریعت سے سازگار ان کے عرف اور پسندیدہ عادات و رسوم و رواج کو برقرار رکھتے۔ اس طرح تشریح کا یہ عہد اولین صرف نظری ہی نہیں بلکہ عملی اور واقعی بھی تھا۔ اس وقت سے لے کر اب تک پندرہ صدیوں میں مجتہد علماء و فقہاء

اس کی خدمت کا اللہ فی اللہ فریضہ انجام دیتے رہے اور ظاہر ہے کہ اس طویل مدت میں قدرتی طور پر علمی عروج و زوال قوت و ضعف اور تحفظ و تجدید کے مراحل سے واسطہ پڑتا رہا جن کی تفصیلی تقسیم شریعت کے مورخ بیان کرتے ہیں اور ہر مرحلہ کے امتیازی اوصاف کی نشاندہی کر کے سیاسی، سماجی، تاریخی عوامل میں اسباب و مسببات کی تلاش کرتے ہیں پھر ان کی روشنی میں علم فقہ کی نشرو اشاعت، عالم اسلام کے مختلف اجزاء کے قوانین میں موازنہ اور تال میل کا ذکر کرتے ہوئے اس کی استقلالی طاقت کے اسرار اور آفاقیت کے رموز سے پردہ اٹھاتے ہیں۔ یہ طریقہ وسیع علمی تحقیقی بحثوں کے لیے مناسب ہے لیکن ہم اپنے اس مختصر مقالہ میں صرف فقہ صحابہ و تابعین اور حدیثی مکتب فکر، رائے اور اجتہادی مذاہب، فقہ کا بحران، معاصر فقہ اور اجتہاد کے طریقوں پر ہی اپنے خیالات کا اظہار کریں گے، اگرچہ ہم سے پہلے ان موضوعات کا حق بھی ادا کیا جا چکا ہے لیکن فی الوقت ہمارے سامنے ان لوگوں کی باتیں ہیں جن میں سے بعض کو تو کچھ فقہی علم ہے یا دوسرے وہ لوگ ہیں جن کی عادت فقہ کے خلاف زبان دلازی کی ہے حالانکہ فقہ کے چند مظاہر کے علاوہ نہ ان کو اس کی تاریخ سے واقفیت ہے نہ اس کے مسائل سے یا تیسرے فقہ کے وہ حریف ہیں جو اس کے خلاف بے سرو یا باتوں کی ترویج و اشاعت کرتے رہتے ہیں۔ ان سب کی باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم مذکورہ بالا حقائق پر مبنی اپنے خیالات ذیل میں پیش کرتے ہیں:

شریعت وحی ہے اور فقہ تدبیر اور غور و فکر

اسلامی شریعت وحی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اسی طرح نازل فرمایا جیسے اس سے پہلے دیگر شریعتوں کو بھیجا تھا۔ اس شریعت کے ابلاغ کا فریضہ اللہ تعالیٰ کے امین رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بخیر و خوبی انجام دیا تاکہ وہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ سارے جہاں کے باشندوں کے لیے نور و ہدایت، عقیدہ و نظام، ادب و تہذیب، تعلیم و تربیت، راہِ عمل اور قانونِ حیات و دستورِ زندگی بنے جیسے کہ خود اللہ تعالیٰ کا فرمان

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً

ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے

لِلنَّاسِ لِكُلِّ شَيْءٍ وَنَذِيرًا لِّلرَّسَالِ (۱۸)

بیشروندیز بنا کر بھیجا ہے۔

اسلامی فقہ، جن امور میں صراحت سے کوئی حکم نہیں ملتا ہے ان سے متعلق مسائل کے بارے میں کتاب و سنت پر غور و فکر اور تدبیر و تفکر اور اسباب و نظائر پر قیاس و اجتہاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی مرضی تلاش کرنے کا نام ہے تاکہ اللہ کے بندے دلیل و حجت کی روشنی میں اپنی راہ عمل مقرر کریں۔

اس طرح شریعتِ الہی اور اس سے متفرع دینی و فقہی علوم و فنون نے ہدایت کے طالب نفوس کو بت پرستی کے بچے کھچے عناصر سے پاک و صاف کر کے ان کو نورِ توحید اور ایمان و یقین کی دولت سے مالا مال کیا، اوامر و نواہی کا پابند کر کے انسانی زندگی کا ضابطہ اخلاق متعین کیا، میزانِ عدل قائم کر کے شخصی احوال اور خاندانی نظام کی بنیاد رکھی حقوق و واجبات کی حد بندی کر کے سیاسی و سماجی اور مالی و معاشی امور کے اصول و قواعد مرتب کیے، عبادات و معاملات کو یکساں اہمیت دے کر عوام و خواص، افراد و جماعتوں اور اقوام و حکومتوں کے باہمی تعلقات کو استحکام بخشنا تاکہ ایک طرف ان کی غلطی، لغزش، فتنہ اور کمزوری کے اسباب سے حفاظت رہے تو دوسری طرف ان کے لیے خیر، ترقی، سلامتی اور امن و امان کی ضمانت ہو۔ ان مصالح کی وجہ سے شریعت پر عمل واجب تھا، اس کے احکام نافذ تھے، کسی کو اس کی اطاعت و پابندی اور تطبیق و تنفیذ سے انکار نہ تھا، ہر ایک اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو مانتا تھا:

یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا	اے ایمان والو! اللہ اور اس کے
اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي	رسول کی اطاعت کرو اور تمہارے
الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ	اہل حل و عقد کی بھی، تمہارے درمیان
فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ	جب کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اگر
إِن كُنْتُمْ تُوَفَّقُونَ	تم کو اللہ اور قیامت کے دن پر یقین ہے
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ	تو اس تنازعہ میں معاملہ کو اللہ اور اس
وَاحْسَنُ تَأْوِيلًا	کے رسول کی طرف لوٹا دو کہ انجام کے

(النساء: ۵۹) اعتبار سے یہی بہتر اور برتر ہے۔

شریعت کی پابندی، اگر دیکھا جائے تو امت کے لیے ایک اعتقادی امر تھا جس کا لحاظ تمام مسلمان اپنی مرضی اور اختیار سے کرتے تھے اس لیے کہ وہ اس کو اپنے رب کی رضا و رحمت اور دنیا و آخرت کی فلاح کا ذریعہ سمجھتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:

فَدَجَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ
 كَتَبْتُ مُبِينٌ ه يَهْدِي بِهِ اللَّهُ
 مَنْ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ
 وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى
 النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى
 صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ه

بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف
 سے ایسا نور اور کتاب میں آئی ہے
 جس کے ذریعہ وہ ان لوگوں کو سلامتی
 کی راہ کی ہدایت دیتا ہے جو اس کی مرضی
 کی اتباع کرتے ہیں، وہ اپنے حکم سے ان
 کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا
 اور سیدھی راہ کی رہبری سے نوازتا ہے

(البقرہ: ۱۵۰-۱۶)

صحابہ کرام کی فہم

شریعت کا راستہ اہل ایمان کے لیے ہر مغالطہ سے محفوظ تھا اس لیے کہ وہ اپنے عہدراول میں براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ تھا، صحابہ کرام آپ سے بالمشافہ سن کر قرآن کی تعلیم حاصل کرتے، اس کو حفظ کرتے اور اپنی سمجھ بوجھ بڑھاتے، آپ ان کو قرآنی آیات کی تعلیم دیتے تو ان میں شامل احکام و مواعظت کے مضامین کی دلنشین وضاحت فرماتے، ان کے سامنے انہی کے مسائل سے متعلق قرآنی آیات نازل ہوتیں تو وہ خود بخود ان کے شان نزول سے واقف ہوتے اور ان کے معانی و مفہم ان کے دلوں میں اتر جاتے۔ اسی طرح رؤدر رؤر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مشاہدہ کرتے اور آپ کی باتیں سنتے تو آپ کے کلام اور تقرفات کے معنی و مفہم اور غرض و غایت سے پوری طرح باخبر ہوتے، ظاہر ہے کہ یہ مواقع بعد کے لوگوں کو حواہی نہیں رہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین رفقاء، کاربغی صحابہ کرام کے مقام و مرتبہ کو نہیں پہنچ سکے۔ اس لیے کہ جس کے علم کی بنیاد کسی واسطہ یا کئی واسطوں پر قائم ہو وہ ان خوش قسمت صحابہ کرام کے برابر کبھی نہیں ہو سکتا جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی آنکھوں سے نور رسالت دیکھنے اور اپنے کانوں سے کلام نبوت سننے کی سعادت

بخش تھی، یہی وجہ ہے کہ امور شریعت میں کتاب و سنت کے بعد صحابہ کرام کی فہم کی طرف رجوع بھی قطعی طور پر متعین ہے۔

مجتہد علماء کے کام میں عقل کی حکمرانی

مذکورہ بالا مصادر شریعت سے عام اصول اور کلی قواعد حاصل کر کے ان پر تفریح مجتہد ائمہ کا کام تھا خواہ ان کے مکاتب فکر باقی رہے ہوں اور لوگوں میں مقبول و مشہور اور قابل اعتماد ٹھہرے ہوں جیسے حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی فقہی مذاہب یا ان کو یہ مقام و مرتبہ حاصل نہ ہو سکا ہو اور صرف خاص لوگ ان کے اصول و احکام سے واقف ہوئے اور ان کے اقوال کو یاد رکھا جیسے عبدالرحمن اوزاعی (۸۸ - ۶۱۵/۷۰۴ - ۶۷۷/۷۲۳) سفیان ثوری (۹۷ - ۱۱۱/۱۱۰ - ۱۷۵/۱۷۸) محمد بن جریر طبری (۲۲۲ - ۳۱۰/۳۱۹ - ۳۲۳/۳۲۳) حسن بصری (۲۱ - ۱۱۰/۱۱۰ - ۲۲۸/۲۲۸) لیث بن سعد (۹۲ - ۱۲۵/۱۲۵ - ۱۴۹/۱۴۹) بہر حال اسلامی شریعت کے ان تمام ماہر علماء اور فقہ کے بزرگ مجتہد ائمہ نے کتاب و سنت کے اصولوں کو پوری طرح سمجھا، ان کے اغراض و مقاصد کو جاننا اور ان پر اعتماد کر کے ان سے احکام مستنبط کئے، نصوص کی عدم موجودگی میں فقہی احکام کو منضبط کرنے کے لیے اختلاف مدارج کے باوجود فکر و تدبیر سے کام لیا، اجماع و قیاس کی طرف رجوع کیا، استحسان، مصالحہ مسلہ، سد ذرائع اور عل صحابہ کا پاس و لحاظ رکھا اور شجملہ مقاصد شریعت کی تلاش و رعایت اور روح شریعت کی پاسداری و پابندی ان کے اجتہاد اور استنباط احکام کا بنیادی وصف تھی تاکہ اللہ کا دین قائم رہے اور اس کے بندوں میں اس کی شریعت نافذ رہے۔ کبھی کبھی نئے پیش آمدہ امور میں انہوں نے ایک کلی قاعدہ کے تحت متفرع فروع میں سے کسی فرع پر قیاس کر کے اس کے اثناہ و نظائر کے مطابق بھی حکم مقرر کیا اور انہوں نے یہ سب کوشش و محنت صحابہ و تابعین کی طرف منسوب احکام و فتاویٰ کے طریقہ کار کی پیروی میں کی۔

مجتہدین کے طریقہ کار کی اس پوری تفصیل کو دیکھتے ہوئے مخالفین کے اس دعوے میں کوئی وزن باقی نہیں رہ جاتا کہ فقہی احکام صرف نقلی بنیاد پر قائم ہیں

اور ان میں مجتہدین کی فکر و نظر، عقلی کاوشوں اور سوجھ بوجھ کی صلاحیتوں کا کوئی اثر نہیں ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر مجتہد امام لغوی و شرعی علوم میں اپنی مہارت کا استعمال کرتے ہوئے اپنی عقلی و فکری صلاحیتوں کو بھی پوری طرح بروئے کار لایا، حالات کے سیاق و سباق اور اقوال کے دروبست سے نتائج نکالے، کتاب و سنت کے مقاصد کی روشنی میں احکام شریعت استنباط کیے، پھر احکام کی ترتیب و تدوین میں ایسا واضح منصوبہ اور طریقہ کار وضع کیا جو قاضیوں اور مفتیوں کے لیے مشعل راہ بنا۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام کام ایسے اعلیٰ عقلی معیار اور فائق قدرت و صلاحیت کا محتاج تھا کہ جن کے ذریعہ نصوص شریعت میں شامل معانی و مفاہیم کی دلائل، ترتیب اور تخصیص و تقیید وغیرہ سے ضروری نتائج نکالے جائیں، مثال کے طور پر جب ایک مجتہد ایک غیر منصوص معاملہ کو دوسرے منصوص معاملہ پر کسی علت کی وجہ سے قیاس کرتا ہے تو اس کو علت کے تمام مسالک پر غور کر کے مناسط کی تحقیق و تخریج، مناسب علت کی تعیین اور شرعی مقصد کی تلاش کرنا ہوتی ہے، اسی طرح کی کوشش مجتہد فقہ کو اس وقت کرنا پڑتی ہے جب وہ قیاسی استحسان میں کسی مسئلہ پر اس کی نظیر کے حکم کے بجائے دوسری شرعی دلیل پر اعتماد کرتے ہوئے حنفی قیاس کو جلی قیاس پر ترجیح دیتا ہے یا استثنائی قیاس میں کسی خاص دلیل کی بنا پر عام کلی اصل قاعدہ سے جزیئی مسئلہ کا استثناء کرتا ہے، اس طرح کی تمام حالتوں میں اس کی کوشش مقاصد شریعت کی رعایت اور لوگوں سے حرج (تنگی) رفع کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ ظاہر ہے اس دقیق و پیچیدہ کام میں بھی اعلیٰ سوجھ بوجھ، حالات پر نظر، استنباط کے طریقوں پر قدرت، مقاصد شریعت کا اعتبار اور لوگوں کے مصالح کا خیال ہی مجتہد کو اس بلند معیار کے غور و فکر، علمی مقلانہ و موازنہ اور تحقیقی تلاش و جستجو پر آمادہ کرتا ہے، ورنہ عقلی ریاضت کی اس انتھک محنت کے بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم کی ایسی وضاحت کی توفیق نہیں مل سکتی جس سے اس کی خوشنودی بھی حاصل ہو اور نفس کو اطمینان کی دولت بھی میسر آئے۔

اسی طرح مرسل استدلال (جس کے امام مالک اور امام شافعی قائل ہیں) اور مصالح مرسلہ (جن میں صرف ایک متعین نص یا مخصوص واقعہ کا نہیں بلکہ جملہ احکام شریعت کا اعتبار کرنا ہوتا ہے) کا حال ہے جن میں وسیع علمی صلاحیت اور روح شریعت

کی دقیق معرفت ہی سے مجتہد کو اس بات کے طے کرنے کا موقع ملتا ہے کہ زیر نظر مصلحت سے اہمال نہیں برتا جا سکتا اور امکانی مفسدہ سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ یہی حال سد ذرائع کے قاعدہ کا ہے جس کو امام مالک نے بیشتر ابواب فقہ پر لاگو کیا ہے اور جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس مصلحت سے بھی بچا جائے جس میں مفسدہ کا احتمال ہو۔ یہاں بھی مجتہد کو موارد احکام پر غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح کہ ان مقاصد کو سوچا جائے جن میں مصالح و مفاسد دونوں شامل ہوں، پھر ان وسائل پر غور و فکر کیا جائے جو ان مقاصد تک پہنچاتے ہیں، پھر اس کاوش کے نتیجے میں حرام یا احلال کا جو حکم متعین ہو اس کو بیان کیا جائے، لیکن بقول قرآنی یہ بات الگ ہے کہ حکم کے اعتبار سے وسائل کا مرتبہ مقاصد سے کم ہے، نیز یہ کہ بہتر مقاصد کا ذریعہ بہتر وسائل ہوتے ہیں اور بدتر مقاصد کا بدتر وسائل اور متوسط کا متوسط۔

جہاں تک کلی قواعد فقہ کا تعلق ہے تو ان میں بھی مجتہد کو مقاصد کے حصول ان کے درمیان موازنہ اور ان میں تقدیم و تاخیر میں بڑی محنت کرنا پڑتی ہے، مثال کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول لا ضرر ولا ضرار (یعنی شرعاً نہ نقصاً پہنچانا جائز ہے نہ نقصان اٹھانا) سے درج ذیل قواعد نکلتے ہیں: شرعاً نقصان کو رفع کیا جائے گا، ایک نقصان کو دوسرے نقصان سے زائل نہیں کیا جائے گا، مضر توں کو رفع کرنا منفقوں کے حصول پر مقدم ہے، عام نقصان کو دفع کرنے کے لیے خاص نقصان کو برداشت کر لیا جائے گا۔ سخت ترین نقصان کو کمترین نقصان سے زائل کیا جائے گا۔ اسی طرح دوسرے تمام کلی قواعد میں فقیہ کو شرعی قاعدہ کی رعایت کے ساتھ اس سے متعلق بے شمار جزئی مسائل پر غور کرنا پڑتا ہے خواہ وہ احکام کتاب و سنت کی نص سے ثابت ہوں یا شرعی ضابطوں اور حدود کے اندر رائے اور اجتہاد سے مستنبط ہوں۔ ایسے تمام قواعد اور ان کی تفریحات یا ان کو شامل احکام پر تفصیلی بحث اشباہ و نظائر اور فروق و قواعد کی خصوصی کتابوں میں ملتی ہے جیسے ضرورتیں ممنوعات کو جائز کر دیتی ہیں، ضرورت کا لحاظ بقدر حاجت ہی ہوگا، حرج (تنگی) شرعاً رفع کی جائے گی، مشقت آسانی کو لاتی ہے، جس معاملہ میں تنگی پیش آئے اس میں وسعت سے کام لیا جائے گا، ممنوعات کے مباح کرنے میں حاجت کو ضرورت کا مقام دیا

جائے گا، رعایا کے معاملات میں امام (حاکم) کا تصرف و اختیار مصلحت سے مربوط ہوگا۔
 اب فقہی مذاہب کی مذکورہ بالا علمی و فکری مرکزوں اور فقہی اجتہاد کی کاوشوں پر
 جو بھی غور کرے گا اس کو ان کے اس اہم دور کا ضرور اندازہ ہوگا جو انہوں نے ادا کیا۔
 اس کی شہادت فقہ و قانون کے ان ممتاز علمائے دیہے جنہوں نے مختلف فقہی مذاہب اور دیگر
 قوانین کے درمیان احکام کی جزئیات احاطہ و استقرار اور موازنہ و مقابلہ کا کام انجام دیا ہے ان کے علاوہ
 تفسیری کتابوں اور احادیث کی شرحوں میں مذکور آیات و احادیث کے احکام پر بحثیں بھی مسلم علماء کے اجتہاد
 کے رنگ سے نئی ہوئی ہیں۔ اس پر اگر فقہی مسلک کی ابہات کتب کا اضافہ کر لیا جائے تو اجتہاد کے
 اس عظیم سرمایہ کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو مسلم علماء، مفسرین، محدثین، فقہاء، قضاة وغیرہ
 نے اپنے سہرے علمی عہد میں تکمیل کو پہنچایا جیسے :

حنفی فقہ میں :

امام محمد بن حسن شیبانی (۱۳۱ - ۱۸۹ھ / ۷۸۸ - ۷۸۰ء) کی 'الاصول'
 برہان الدین محمود بن احمد (۵۵۱ھ - ۶۱۶ھ / ۱۱۵۶ - ۱۲۱۹ء) کی 'المحیط البرہانی'
 محمد بن محمد رخصسی (وفات ۵۴۱ھ / ۱۱۴۵ء) کی 'المحیط' اور 'مجمع البحر'
 محمد امین بن عابدین (۱۱۹۸ - ۱۲۵۲ھ / ۱۷۸۴ - ۱۸۳۶ء) کا حاشیہ
 ابو بکر بن مسعود کا شانی (وفات ۵۸۷ھ / ۱۱۹۱ء) کی 'بدائع الصنائع'
 محمد بن عبدالواحد بن ہمام (۷۹۰ - ۸۶۱ھ / ۱۳۸۸ - ۱۴۵۷ء) کی 'فتح القدير'
 اور دیگر کتب فتاویٰ و فقہی رسائل

مالکی فقہ میں :

عبدالسلام بن سعید سجنون (۱۶۰ - ۲۲۰ھ / ۷۷۷ - ۷۸۵ء) کی 'المدرّونہ'
 عبدالملک ابن حبيب سلمی (۱۷۴ - ۲۳۸ھ / ۷۹۰ - ۸۵۳ء) کی 'الواضح'
 علی بن محمد لخمی (وفات ۴۷۸ھ / ۱۰۸۵ء) کی 'التبصرہ'
 محمد بن عبداللہ ابن یونس (۵۹۲ - ۶۵۲ھ / ۱۱۹۶ - ۱۲۵۶ء) کی 'الجامع'
 عبداللہ ابن ابی زید (وفات ۳۸۶ھ / ۹۹۶ء) کی 'النوادر'
 محمد بن محمد بن عرفہ (۷۱۶ - ۸۰۳ھ / ۱۳۱۶ - ۱۴۰۰ء) کی 'المختصر'
 عبداللہ بن محمد بن شاس (وفات ۶۱۶ھ / ۱۲۱۹ء) کی 'الجواہر الثمینیہ'

خلیل بن اسحاق (وفات ۴۷۶ھ/۱۰۸۴ء) کی شرحیں
 قاضی عیاض بن موسیٰ (۴۷۶-۵۴۴ھ/۱۰۸۳-۱۱۱۴ء) کی 'التبہات'
 احمد بن ادریس قرافی (وفات ۶۶۸ھ - ۶۲۸ھ) کی 'الذخیرہ'
 قاضی عبدالوہاب بن علی (۳۶۲-۴۲۲ھ/۹۷۳-۱۰۳۱ء) کی 'التلقین'
 محمد بن علی مازری (۴۵۳-۵۳۶ھ/۱۰۶۱-۱۱۱۴ء) کی 'شرح'
 یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر (۳۶۸-۴۶۳ھ/۹۷۸-۱۰۷۱ء) کی 'الاصول' - بیکارا اور

فتاویٰ وغیرہ

نشافعی فقہ میں:

امام محمد بن ادریس شافعی (۱۵۰-۲۰۴ھ/۷۶۷-۸۲۰ء) کی 'الامم'
 علی بن محمد اور دمی (۳۶۲-۴۵۰ھ/۹۷۳-۱۰۵۸ء) کی 'المحادی'
 قاضی زکریا بن محمد (۸۲۳-۹۲۶ھ/۱۴۲۱-۱۵۲۰ء) کی 'اسنی المطالب'، شرح
 المنہاج اور المجموع۔

حنبلی فقہ میں

احمد بن محمد خلیل (وفات ۳۱۱ھ/۹۲۳ء) کی 'الجامع البکیر'
 عبداللہ بن احمد بن قدامہ (۵۴۱-۶۲۰ھ/۱۱۴۶-۱۲۲۳ء) کی 'المغنی'
 ہر مذہب کے ان چند ناماندہ ناموں سے اس علمی ثروت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے
 جو فقہ و شریعت کے میدان میں تیار ہوئی۔ جس کا ناگزیر اثر اس میدان میں بحث و تحقیق کی
 داد دینے والوں کی وسعت فکر و نظر پر پڑا اور فقہی اختلافات اور ان کی تعلیل و استنباط
 کے طریقوں کی سوچ بوجھ کی راہ ہموار ہوئی جن کے نظریات کے مطالعہ کا حق ہمارے
 خیال میں اب تک ادا نہیں ہوا ہے۔ اس قیمتی ثروت کے فلسفہ سے واقفیت کے
 لیے ہم کو بزرگ اہل علم کی ان تصانیف کا مطالعہ بھی کرنا چاہیے جو انہوں نے خلافِ عالی
 اور فقہ مقارن کے موضوعات پر تیار کی ہیں جیسے:

محمد بن علی بن الدہان (وفات ۵۹۲ھ/۱۱۹۶ء) کی 'تقویم النظر'
 قاضی عبدالوہاب بن علی (۳۶۲-۴۲۲ھ/۹۷۳-۱۰۳۱ء) کی 'الاشراف علی مسائل الخلفاء'
 ابن المفضل کی 'البحر الزخار'

ابوبکر احمد بن حسین بیہقی (۲۸۲-۳۵۸/۹۲۹-۱۰۱۶ء) کی 'الخلائیات'

قاضی حسن کی 'طریق الخلاف بین الحنفیہ والشافعیہ'

عبد اللہ بن یوسف جوینی (وفات ۴۲۸/۱۰۳۷ء) کی 'المجموع والفرق' وغیرہ۔

یہ دو کتابیں ہیں جن کے مطالعہ سے تمام فقہی آراء اور ان سے متعلق ان اجتہادی نظریات تک پہنچا جاسکتا ہے جن پر مختلف فقہی مکاتب فکر کی بنیاد رکھی گئی تھی اور جن کی بحث و تحقیق سے ہمارے آج کے دور کے مشکل مسائل کی گریں کھلنا بھی یقینی ہے، لیکن افسوس کہ دینی علوم کی ترقی، فقہی احکام و شرعی مسائل اور ان کی فروغ و جزئیات میں دقت نظر، عمق اور جامعیت کے گذشتہ سہ صدیوں کے بعد جو دو تقلید کے طویل عہد نے اجتہاد کی تحریک کو بالکل مفلوج کر دیا۔ عالم اسلام کے ہر علاقہ کے علماء نے زیادہ سے زیادہ سابق مجتہد ائمہ کی آراء کی ترویج، ان کے درمیان ترجیح، تفریح اور قیاس ہی کو اپنا مطمح نظر بنالیا اور ہر فرقہ اپنے اپنے مسلک کے دائرہ میں بند ہو گیا، اس کے نتیجے میں تنگ نظری پھیلی، تقلید لازمی ہو گئی، متون و محقرات، شروح و حواشی، تعلیقات و ہوامش کا ڈھیر لگ گیا، فقہاء اور دیگر علماء کے درمیان بے سود نظمی مجادلہ کا بازار گرم ہو گیا اور ممتاز علماء تک کی مساعی اپنے مسلک کی آراء کی حفاظت اور ان کو بعض دیگر مذاہب کے اقوال کے ذکر کے ساتھ آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے تک محدود ہو گئیں۔ ان کے تفصیلی دلائل کے ذکر سے پیشتر صرف نظر کیا گیا تو کج بحثی کے فروغ کے ساتھ فقہی فہم معطل ہو گئی، مسلکی تعصب، کشمکش و مزاحمت بڑھ گئی اور اہل اقتدار کی سرپرستی میں مناظرہ و مجادلہ کے فتنہ خیز ریشور جلسے منعقد ہونے لگے۔

امام ابو حامد غزالی (۲۵۰-۳۵۵/۱۰۵۸-۱۱۱۱ء) نے اسیا، العلوم کی فصل مہکات میں ان مظاہر

کا ذکر کیا ہے اور مجادلہ کی توفیق میں لکھا ہے: 'اس کا مقصد فریق متقابل کو لاجواب و بے بس کرنا اور اس کے کلام کی مذمت و تکذیبی سے اس کی تمقیص، کم عقلی اور جہالت ثابت کرنا ہوتا ہے'۔ اسی طرح اہل کفر کے بارے میں لکھا: 'مخاطب کے کلام پر لفظی یا معنوی گرفت کے ساتھ اس کی نیت میں خلل ثابت کر کے اعتراض کرنا ہوتا ہے'۔ اور چوتھی فصل میں علم خلاف سے لوگوں کی دلچسپی کے ذیل میں لکھا: علماء و سلف کی عادت تھی کہ وہ عہدہ منصب سے فرائض اختیار کرتے تھے اور خلفاء و سلاطین قضا و افتاء کے عہدوں پر تقرری کے لیے ان کے پیچھے اصرار کرتے پھرتے تھے، پھر جب علماء جاہ و عزت کی دھن میں پڑ گئے تو اپنے کو حکام کے سامنے پیش کرنے لگے، ان سے تعارف کے لیے کوشاں ہوئے، عہدوں اور انعام و اکرام کی خواہش کی جس میں بعض کامیاب ہوئے اور بعض نامراد اس طرح وہ مطلوب کی جگہ طالب بن گئے، وہ سلاطین سے اعراض کے رویہ کی وجہ سے ان کے سامنے باعزت تھے، ان کی طرف مائل ہو کر ذلیل و خوار ہوئے'۔ (باقی آئندہ)